حقیقت یہ ہے کہ حدیث و سنت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی شرح و تفسیر ہے اور اس بات پر تمام علمائے اسلام کا ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے۔

اب جو شخص تفسیر کا انکار کرتا ہے وہ اوّل قدم پر حدیث و سنت کا منکر ہے۔ کیونکہ حدیث و سنت قرآن کی تفسیر ہی کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا جو شخص تفسیر کو نہیں مانتا اس کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ حدیث و سنت کو بھی مانتا ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے دو بہنوں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں رکھنا حرام قرار دیا ہے۔ اور اسے محرماتِ نکاح میں شامل کیا ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ۔ (النسار: ۲۳)

اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھو۔

اسی امر کی تشریح و تفسیر فرماتے ہوئے حضورؐ نے پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت کسی ایک مرد کے نکاح میں رکھنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ پہلی چیز قرآن کا متن ہے اور اس کی تعمیل یہ ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت کسی ایک شخص کے نکاح میں نہ رکھا جائے۔ لیکن اسی قرآنی حکم کے تحت تفسیر یہ کہتی ہے (اور حدیث قرآن ہی کی تفسیر ہے) کہ اس حکم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی بھی بیک وقت نکاح میں نہ رکھی جائیں۔ اب جو شخص تفسیر کا منکر ہے اور صرف قرآن کے متن کو مانتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو کیسے مانے گا۔ وہ اسے تفسیر قرار دے کر رد کر دے گا اور اطاعت رسولؐ کے قرآنی حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا کیونکہ ظاہر ہے حضورؐ کا حکم قرآن کا متن نہیں ہے بلکہ اُس کی تفسیر ہے اور تفسیر کا وہ شخص منکر ہے۔ یوں تفسیر کا انکار حدیث و سنت کے انکار کو مستلزم ہے۔

دوسرے قدم پر تفسیر کا منکر خود قرآن کا منکر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تعلیم و تبیین اور شرح و تفسیر کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے اور یہ چیز قرآن کے متن اور نص سے ثابت ہے۔ اب جو شخص تفسیر کو فضول، بیکار اور عبث ٹھہراتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا اور ایک خلافِ قرآن بات کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفسیر قرآن کو حضورؐ کی نبوت کے اہم فرائض میں سے ایک فریضہ قرار دیا ہے۔ اس طرح تفسیر کا انکار اللہ تعالیٰ پر افترا، اسکی نافرمانی

اور قرآن مجید کی خلاف ورزی ہے۔ یہ ایک ایسی عجمی سازش معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد لوگوں کو قرآنی تعلیمات سے دُور رکھنا ہے۔

حاصل یہ کہ تفسیر سے انکار کا نتیجہ قرآن و سنت یعنی پورے دین اسلام سے محرومی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور کوئی صاحبِ ایمان کسی حال میں بھی اپنے دین و ایمان سے محروم ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ رہا انکارِ تفسیر کا یہ فتنۂ جدید، تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے علمائے اسلام اس فتنے کو دبانے اور اس کا قلع قمع کرنے کی پوری ہمت اور اہلیت رکھتے ہیں۔

تاریخی تناظر میں ربوا (سود) اور اس کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر حافظ احمد دین اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات ڈیپارٹمنٹ گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

مانا کے علمی وفکری سطح پر ہم ایک ایسے سائنسی اور تحقیقی دور سے گزر رہے ہیں جس میں انسان اپنی عقل اور فنی مہارت کے بل بوتے زمینی مدار سے نکل کر چاند تک پہنچ چکا ہے۔اور دوسرے سیاروں پر اپنی کمندیں ڈال رہا ہے۔ مگر دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علمی اور تمدنی میدان میں یا بالفاظ دیگر باہمی معاملاتی سطح پر وہ آج جس حیوانیت کا مظاہرہ کررہا ہے۔ جنگلی درندے بھی اسے دیکھ کر شرما جائیں۔ بالآخر ہماری پستی کا یہ عالم کیوں ہے؟ کیوں ایک انسان دوسرے انسان کا بے دریغ خون بہا رہا ہے؟ ایک جماعت دوسری جماعت سے برسر پیکار کیوں ہے؟علاقائی عصبیتیں کیوں زوروں پر ہیں؟ظلم وستم کا یہ بازار گرم کیوں؟ اور نیکی پامال اور بدی غالب کیوں ہے؟

ہماری اس پستی کی مختلف وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں۔اور تاحدے یہ صحیح بھی ہوسکتی ہیں۔مگر اس عالمی جنگ وجدال اور قتل وغارت کا اصل سبب ایک ہی ہوسکتا ہے۔اور وہ ہے۔معاشرے میں ہر سطح پر امیر وغریب کے درمیان پائے جانے والے فرق میں روز افزوں ترقی۔ جس نے لوگوں کے دلوں میں حسد اور نفرت کی ایک آگ بھڑکا رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے آج انسان، انسان کا دشمن، ایک طبقہ دوسرے طبقے کا دشمن اور ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔

بلاریب طبقاتی اونچ نیچ ایک حد تک فطری امر ہے۔ مگر اس میں یہ بعد المشرقین جو آج نظر آرہا ہے۔اس کا زیادہ تر ذمہ دار نظام سرمایہ داری یا بالوضاحت سودی نظام حیات

ہے۔ جس نے اپنے ظالمانہ شکنجے میں ساری انسانیت کو یوں کس رکھا ہے۔ کہ کوئی بھی فرد، سود کو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس کے اثرات سے محفوظ نہیں ہے۔ دراصل یہ اہل مغرب خصوصاً یہود کا وہ کامیاب حربہ ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے معاشی اور سیاسی میدان میں دیگر اقوام کو اپنا باجگزار غلام بنا رکھا ہے۔ اسی حربہ کی بدولت تمام ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر ان کے بینکوں میں جمع ہو رہی ہے۔

سود جو نہ عقلاً روا ہے اور نہ مذہباً جائز ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے بزعم خویش ہمہ دان اسے معشیت کا جزو لانیفک بلکہ آب حیات سمجھتے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ سود کو جائز قرار دینے والے نظریات کا علمی بنیاد پر تجزیہ کر کے ثابت کیا جائے۔ کہ سود کو کسی بھی علمی یا عقلی دلیل کی بناء پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مقالہ میں پہلے ربوا (سود) کی لغوی تشریح کی گئی ہے۔ پھر سود سے متعلق مختلف نظریات کے تحت بتایا گیا ہے کہ سود کا رواج کب اور کیسے ہوا۔ نیز اس کے نظریات میں اختلاف کے باوجود وہ کونسی قدر مشترک ہے۔ جس کی بنیاد پر سودی نظام کی اتنی بلند بام عمارت کھڑی کی گئی ہے بعد میں سود کے بارے میں مذہبی بالخصوص اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کر کے معیشت، معاشرت، اخلاق اور بین الاقوامی تعلقات پر سود کے مرتب ہونے والے اثرات کا تاریخ کے حوالے سے ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ربوا کا لفظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ یہ ایک جامع لفظ ہے۔ دوسری زبانوں میں اس کے لیے سود، بیاج، یویوری (Usuary) اور انٹرسٹ (Interest) وغیرہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ میں اتنی وسعت نہیں ہے جو لفظ "ربوا" کے پورے مفہوم کو ادا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ ربوا کی اقسام کو خارج از حرمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سود کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے سے قبل لفظ ربوا کا لغوی مفہوم اور اصطلاحی مفہوم بیان کر کے، اس کی بعض اقسام کی نشاندہی کر دی جائے۔

ربوا کا مفہوم:

ربوا کا مادہ ر ب و ہے، از روئے لغت اس کے معنی

زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں، چنانچہ ابو بکر رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اصل الربافی اللغه هو الزیاده ومنه الرابیه لزیادتها علی ماحوالیها من الارض.۱

لغت میں ربا کے معنی زیادتی ہیں۔ اور اسی سے لفظ الرابیہ ہے، کیونکہ یہ اپنے اردگرد کی زمین سے اونچا (ٹیلہ) ہوتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں ربا سے مراد وہ زیادتی یا بڑھوتری ہے، جو بغیر کسی عوض کے حاصل کی جائے ابن العربی لکھتے ہیں۔

الربافی اللغه الزیاده والمرادفی آلایه کل زیاده لا یقابلها عوض.۲

لغوی اعتبار سے ربا زیادتی کو کہتے ہیں مگر قرآنی آیت میں اس سے مراد (شرعی اصطلاح میں) وہ تمام زیادتیاں ہیں۔ جو کسی چیز کا عوض نہ ہوں۔

ربوا کے اصطلاحی مفہوم کی مزید تشریح یہ کی جاسکتی ہے کہ ایک آدمی اپنا مال یا رقم کسی دوسرے آدمی کو اس شرط پر قرض دیدے کہ وہ اسے اتنی مدت (مثلاً سال یا دوسال) کے بعد اتنا مال یا اتنی رقم زائد علی رأس المال دیگا۔ چنانچہ اس معاملہ میں مال کے عوض مال ہوگیا۔ اور یہ زائد رقم یا مال، سال یا دوسال مدت کی مہلت کا عوض نہیں ہے۔ بلکہ مہلت کا معاوضہ ہے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"راس المال پر اضافہ، اضافہ کی تعیین مدت کے لحاظ سے کئے جانا اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا، یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں۔ جن سے سود بنتا ہے۔ اور معاملہ قرض جس میں یہ تینوں اجزاء پائے جاتے ہوں ایک سودی معاملہ ہے۔ قطع نظر اس سے کہ قرض کسی باآور کام میں لگانے کے لیے لیا گیا ہو۔ یا کسی شخصی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے اور اس قرض کے لینے والا آدمی غریب ہو یا امیر۔۳

ربوا کی اقسام: فقہاء نے ربوا کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ مثلاً سودی قرض کے لین دین پر، دست بدست ہم جنس کی زیادتی پر، خرید و فروخت کے ناجائز معاملے پر، نوتہ (یعنی جوابی تحفہ کے لالچ میں کسی کو تحفہ دینے) پر ربوا کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بعض دفعہ کسی ناجائز اور حرام کام کے لیے بھی ربوا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ سب سے بڑا ربا یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کی آبرو پر دست درازی کرے۔ ۴

مگر ان تمام صورتوں میں زیادہ مشہور ربا کی پہلی دو صورتیں ہیں یعنی سودی قرض کا لین دین ۔ جسے رباء الفسیئہ اور ہم جنس اشیاء کی زیادتی جب معاملہ دست بدست ہو۔ جسے رباء الفضل کہتے ہیں۔ ان دو کی حرمت پر اجماع منقول ہے۔

۱- ربا النسئیہ: ادھار کا سود۔ "نسیئہ" کے معنی مہلت یا تاخیر کے ہیں، اس کا مادہ نساء ہے۔ نساء کے معنی چوپایہ کو ڈانٹنا، حوض سے ہٹانا یا کسی چیز کو مؤخر کرنا ہے۔ ۵ چونکہ اس یں قرضدار کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دی جاتی ہے اور اس مہلت کی وجہ سے سود وصول کیا جاتا ہے۔ لہذا اسے رباء النسیئہ کہتے ہیں۔ جاہلیت میں بالعموم اسی کا رواج تھا۔ اس وجہ سے اسے رباء الجاھلیۃ بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسکی ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے اسے رباء القرآن بھی کہ دیا جاتا ہے۔ اور رباء حقیقی بھی۔ ۶ اور رباء جلی بھی۔ اس ربا میں ضرر عظیم مضمر ہونے کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ ۷ آج کل کا مروجہ سود رباء کے اسی زمرہ میں داخل ہے۔

۲- رباءالفضل: اس سے مراد وہ رباء ہے۔ جو نقد لین دین میں ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت زیادتی یا کمی کی صورت میں کی جاتی ہے، اس کی حرمت درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

عن عبادہ بن الصامتؓ قال قال رسول اللہؐ: الذهب بالذهب والفضه بالفضه والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح

بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يداً بيدٍ فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعواكيف شئتم اذاكان يدا بيد.۸

چونکہ ربا کی اس قسم کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔ لہذا اسے رباء السنہ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اسے رباء مجازی ۹ اور مبہم یا خفی بھی کہتے ہیں۔ اس کے حرمت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ رباء جلی میں مبتلا ہونے کا وسیلہ بنتا ہے۔-۱۰

سود کا تاریخی پس منظر: اس امر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کہ دنیا میں سود کی بنیاد پر لین دین کا آغاز کب اور کیسے ہوا۔ البتہ انسائیکلوپیڈیا سوشل سائنسز میں یہ تصریح ضرور پائی جاتی ہے۔ کہ سودی کاروبار زمانہ قبل از تاریخ سے رائج رہا ہے ۱۱ ابتداء میں سود زیادہ تر شخصی ضروریات کے لیے حاصل کردہ قرضوں پر ادا کیا جاتا ہوگا۔ مگر بعد میں آہستہ آہستہ کاروباری مقاصد کےلیے وصول کردہ قرضوں پر بھی سود کا اطلاق ہونے لگا ہوگا البتہ سود کے اس سادہ اور ابتدائی دور میں سود کے لیے کوئی قانون یا نظریہ قائم نہیں کیا گیا تھا۔ لہذا اسے سود کا غیر نظریاتی دور کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سود کا یہ دور بقول مولانا مودودی دو ہزار قبل مسیح ۱۲ اور بمطابق انسائیکلوپیڈیا مذکورہ بالا تقریباً ڈھائی یا تین ہزار قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۳ چودہویں صدی عیسوی کے اختتام تک جا پہنچتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا مذکورہ میں اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ یونان میں سودی کاروبار کے رواج پذیر ہونے کے باوجود لوگ بالعموم اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے ۱۴ مگر رفتہ رفتہ یہ کاروبار اتنا عام ہوگیا۔ کہ بعض حکمران بھی اس کے دائرہ اثر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ چنانچہ یہود کے بادشاہ اگریبا اول کو دو لاکھ درہم، اسکندریہ کے یہودی بینکر الیگزینڈر (Alexander) اور ڈسٹویوس سے سود پر قرض لینے پڑے۔ ۱۵ حالانکہ مذہباً سود اس وقت بھی ناجائز تصور کیا جاتا تھا۔

اہل یونان کی طرح اہل روم بھی سود کو بنظر تحسین نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن جب تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں اہل روم کے دلوں پر کلیسائی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ تو

یہاں بھی کاروبار عام ہوگیا۔۱۶ اور بالآخر سود اپنے غیر نظریاتی دور سے نکل کر نظریاتی دور میں داخل ہوگیا۔ جسے اگر سود کا تاریخی دور کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔

سود کا تاریخی دور:

سود کا یہ دور پندرہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔اس دور میں سود کو جائز قرار دینے کی خاطر مختلف نظرئے قائم کرنے کے لیے مختلف فلسفے گڑھ لیے گئے۔اس بات کا ذکر قارئین کی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ کہ ہر نئے مکتب فکر نے اپنے ماقبل مکتب فکر والوں کے نظریات کو ہدف تنقید بنا کر اپنے نقطۂ نظر کو حرف آخر ثابت کرنے کی کوشش کی، مگر قبول عام کا یہ شرف تاحال کسی بھی مکتب فکر والے کو نصیب نہیں ہوسکا۔

سود کا یہ تاریخی دور مختلف نظریات پر مشتمل ہے۔ جنکی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

۱- تجاریین کا دور:

سود کا یہ دور پندرھویں صدی عیسوی سے شروع ہوکر سترھویں صدی عیسوی تک جا پہنچتا ہے اس دور میں معاشیین کا زیادہ تر زور اس بات پر رہا۔ کہ سود کی شرح کم سے کم رہے۔ تاکہ تجارت پر اس کے منفی اثرات مرتب نہ ہوں۔ جس کے لیے سر جوشیا چائیلڈ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہالینڈ کی ترقی کا راز کم شرح سود میں مضمر ہے۔۱۷ کیونکہ زیادہ شرح سود کی وجہ سے آدمی اپنے کاروبار میں سست بن جاتا ہے، اور سود خوری کے سہارے زندہ رہنا پسند کرلیتا ہے۔۱۸ جسکی وجہ سے مجموعی کاروبار متاثر ہونے لگتا ہے۔ اور ملک ترقی کی بجائے تنزل کی طرف رواں ہوجاتا ہے۔

اس دور میں چونکہ سود کے جواز اور تخفیف شرح سود کی غرض وغایت تجارتی نقطۂ نظر تھا لہذا یہ دور تجاریین کے دور سے موسوم ہوا۔ لیکن اس دور میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوگئے۔ جو شرح سود کو طلب ورسد کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے طرفدار بن گئے۔ جیسے ٹامس میںلے (Thaas Manley) جو بھاری شرح سود کا اصلی سبب زر کی قلت اور قرض

لینے والوں کی بہتات بتاتا ہے۔ بقول منیلے(Manley) اگر زر کی مقدار وافر ہوجائے اور قرض لینے والوں کی تعداد کم ہوجائے۔ تب کہیں شرح سود میں تخفیف ممکن ہوسکے گی۔۱۹ ورنہ شرح سو کو کم رکھنا محال ہے۔ جان لاک(Jahn Locke) کا بھی یہی خیال ہے، کہ ادنی شرح سود زر کی روزافزوں رسد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مسٹر ڈڈلے نارتھ (Dudley North) نے نظریہ طلب و رسد کو اس خیال پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔ کہ ہالینڈ میں ادنی شرح سود کا حقیقی سبب سرمایہ کی کثرت اور ضمانت کی موجودگی ہے۔۲۰ مگر تجاریین اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود تادیر شرح سود کو کم نہ رکھ سکے، اور بالآخر انہیں شرح سود کو طلب و رسد کے رحم و کرم ہی پر چھوڑنا پڑا۔۲۱

ابتدائی تاریخی مرحلہ سے گزر کر سود اب ایک ایسے دور میں داخل ہوا۔ کہ جس میں اس فلسفیانہ بنیادوں پر پرکھ کر معیشت کا جزو لاینفک قرار دیا گیا، سود کا یہ دور کئی متضاد نظریات پر مشتمل ہے جسے ماہرین اقتصادیات اسنادی نظریات کا دور کہتے ہیں۔

۲-اسنادی نظریات کا دور:

سود کا یہ دور اٹھارویں اور انیسویں صدی پر محیط ہے، موجودہ علم معاشیات میں اس دور کو نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں آدم سمتھ(Adam Smith)، رابرٹ ٹامس، مالتھس (Robert Thomas Malthus)اور ڈیوڈ ریکارڈو(David Ricardo) کو خاص مقام حاصل ہے۔ انہیں اسنادی مکتب فکر کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد جان اسٹورٹ مل(John Stuart Mill) ایجورتھ (Edgeworth)، مارشل، (Marshall) اور پیگو(Pigou) کا نمبر آتا ہے۔ اور انہیں جدید اسنادی مکتب فکر کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس مکتب فکر نے سود کے بارے میں مختلف نظریے قائم کئے ہیں۔ مگر یہ سب نظریے ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ جن میں سے چند نظرے یہ ہیں۔

الف-خالص نظریہ سود: اس نظرے کے مطابق جبکوئی آدمی اصل (سرمایہ) کو کسی پیداواری کام میں لگاتا ہے۔ تو اس کے استعمال کی وجہ سے پیداوار کی مجموعی قدر میں اضافہ

ہوتا ہے، ورنہ محض محنت کی بدولت پیدوار میں اتنا اضافہ ہر گز نہ ہوتا۔ لہذا اصل کو بھی منافع میں سے اپنا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اصل کا یہ حصہ سود کہلاتا ہے۔ چاہیے۔ چنانچہ ایڈم سمتھ اور ریکارڈو کے نزدیک سود وہ معاوضہ ہے، جو قرضدار، قرضخواہ کو اس کے اصل کے استعمال سے حاصل کردہ منافع میں سے ادا کرتا ہے۔ ۲۲

سود کا یہ نظریہ ہدف تنقید سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ بام بادرک ایک ماہر اقتصادیات اس نظرئے کو Colourless theory کہہ کر ٹھکراتا ہے، کیونکہ یہ نظریہ بقول اس کے سود اور منافع میں کوئی فرق واضح کرنے سے قاصر ہے۔ بلکہ یہ سود کو سرمایے اور محنت کے مجموعی منافع میں خلط ملط کر کے چھوڑ دیتا ہے ۲۳ ایک اور ماہر اقتصادیات میک لیوڈ (Mac leod) تمام سودی نظریات پر تنقید کرتے ہوئے اس فلسفے ہی کی تردید کرتا ہے۔ کہ سود پیداوار کی قیمت کا ایک حصہ ہے، وہ رکاڈو کے اس بیان کی بھی مخالفت کرتا ہے، کہ شرح سود شرح اجرت کے ساتھ مشروط ہے۔ ۲۴

ب۔ اجتنابی نظریہ سود Abstenance Theory of Interest:

اس نظریے کا بانی سینئر (Senior) ہے سینئر کے مطابق لوگوں کو سرمایہ بچت کرنے میں نفس کشی کرنی پڑتی ہے۔ چونکہ صرف سے اجتناب ایک تکلیف دہ امر ہے۔ لہذا لوگوں کو چاہیے، کہ وہ اس کا معاوضہ بصورت سود ادا کریں۔ جب سینئر کے نظریے پر یہ اعتراض کیا گیا۔ کہ امیر لوگوں کے لیے بچت کرنا کوئی مشکل کا نہیں ہے۔ وہ بغیر کسی تکلیف کے آسانی سے بچت کر سکتے ہیں تو اسکی مدافعت میں کیئر نیس (Cairness) نے اجتناب کی بجائے "التوا" کی اصطلاح استعمال کی۔ اور میک وین (Macvane) نے "انتظار" کا لفظ استعمال کیا، جبکہ مارشل نے ان سب کی بجائے دو نئی اصطلاحیں "سرمایہ کی پیش بینی" اور "سرمایہ کی پیداواری" استعمال کیں۔ مگر یہ سب محض الفاظ کی ہیرا پھیری ہے چنانچہ بام باورک (Bohm Bawerk) مارشل کی اصطلاحات کو نظریہ اجتناب کی صدائے بازگشت قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ان میں بھی وہی نقص

موجود ہے جو نظریہ اجتناب میں پایا جاتا ہے۔۲۵

نظریہ اجتناب پر جو تنقید ایک اشتراکی مصنف لاسیل (Lasalle) نے کی ہے۔وہ نہایت مضحکہ خیز ہے مگر بامعنی تنقید ہے۔ڈاکٹر انور اقبال قریشی اسے بام بادرک کے حوالے سے یوں نقل کرتا ہے:

"اصل کا صلہ "اجتناب کی اجرت" ہے۔کیسا زرین ہے یہ مقولہ! یورپ کے بے غرض کروڑپتی،ہندوستان کے نائب اور نفس کش رشیوں کی طرح ایک پیر پہ کھڑے ہیں۔ان کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے اور جسم لرز رہا ہے ان کا ہاتھ پھیلا ہوا ہے جس میں ایک کاسہ ہے۔اس طرح وہ اجتناب کا صلہ حاصل کر رہا ہے۔ان سب میں سے پیش پیش اور سب سے زیادہ تپیسہ کرنے والا بیرن راتھ چائیلڈ ہے۔۲۶

بیرن راتھ چائلڈ (Baron Roth Child) جیسے کروڑپتی تو اس سوچ میں پریشان رہتے ہیں۔کہ وہ اپنی دولت کو کیسے اور کہاں کہاں خرچ کریں۔بھلا ان کے لیے صرف سے اجتناب میں کیا نفس کشی کرنی پڑتی ہے ایسے لوگوں کے لیے صرف سے اجتناب کوئی تکلیف دہ امر نہیں ہے۔

ج۔پیداواری نظریۂ سود

Productivity Theory of Interest:

اس نظریے کے حامی پیداروایت کو سرمایہ کی ذاتی خوبی قرار دیتے ہیں۔اور بناء بریں کہتے ہیں۔کہ سود اسی پیداواریت کی قیمت ہے اس نظریے کے طرفداروں کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل اپنی ذاتی قدر سے زیادہ قدر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جسکی وجہ سے وہ پیدائش اشیاء میں معاونت کرتا ہے۔۲۷

سرمایہ کی پیداواریت یں معاونت سے انکار محال ہے۔مگر کلیتاً پیداواریت کا سرمایہ کو محض اکیلا عامل قرار دینا بعید از عقل ہے۔لہذا پیداوا میں اصل (سرمایہ) کا حصہ

اتنا ہی مناسب نظر آتا ہے۔ جتنا کہ پیداوار میں اصل نے کردار ادا کیا ہے۔ سرمایہ نہ تو بذات خود متحرک ہے اور نہ بنفسہ عامل (کام کنندہ) جب تک محنت اس کے ساتھ شامل نہ ہوجائے۔ وہ پیداوار میں اضافہ کا سبب ہرگز نہیں بن سکتا۔ لہذا پیداوار میں محنت اور سرمایہ دونوں کا حق بنتا ہے جسے سود کی صورت میں ادا کرنے کی بجائے بصورت حصہ رسدی ادا ہونا چاہیے، جو کہ عین قرین قیاس اور عدل وانصاف ہے۔

تجارت یا کاروبار کو مفروضات کی بنا پر چلانا نہ دانشمندی ہے، اور نہ شریعت اسکی اجازت دیتی ہے، جبکہ شیخ محمود احمد کے مطابق سود کے تمام نظریات مفروضات پر قائم ہیں۔ حقائق اور مفروضات ہمیشہ ایک جیسے نہیں ہوتے، لہذا سود کا پیداواری نظریہ بشمول اس کا مقبول ترین مختتم پیداواری نظریہ اور تمام دوسرے سودی نظریے بے وقعت رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ سب پیمائش سے عاری ہیں۔ ۲۸

د۔ سود کا آسٹروی نظریہ۔

The Agio or Time Preference theory of Interest:

اس نظریے کی بنیاد اس بات پر ہے۔ کہ اشیاء کی موجودہ قدروقیمت اور آیندہ قدروقیمت میں فرق ہوتا ہے اور اسی فرق ہی کی وجہ سے سرمایہ پر سود ادا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس نظریے کی ابتداء پیٹی (Petty)، گیلیانی (Galiani) اور ٹرگٹ (Turgot) وغیرہ نے کی۔ مگر اس نظریے کا سرگرم حامی اور ترجمان بام باورک (BohmBawerk) ہے، اور اس کے بقول انسان موجودہ اشیاء کو اس قسم کی آئندہ ملنے والی اشیاء پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اسی ترجیحی حیثیت کو ایجیو (Agio) کہتا ہے۔ اور اسی کو وہ سود کی جڑ قرار دیتا ہے۔ ۲۹

اس نظریے کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر انور اقبال قریشی لکھتا ہے۔ کہ گرہم اس نظریے کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں۔ تو ہمیں اس نظریے اور سود کے نظریہ اجتناب میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ ۳۰ واقعی اگر بنظر نمائیر کر دیکھا جائے۔ تو یہ سارے نظریے محض خیالی ہیں۔ جن نفسیاتی بنیادں پر یہ نظریے قائم کئے گئے ہیں۔ وہ سب کے

سب ناقص ہیں۔ایک حقیقت ہے کہ لوگ اپنی رقوم زیادہ تر اپنی مستقبل کی ضروریات کی خاطر پس انداز کرتے ہیں۔ سنجیدہ اور دانشمند لوگ حال سے زیادہ مستقبل کو ترجیح دیتے ہیں۔اس کے علاوہ بقول مسٹر برٹرنڈرسل (Mr. BertrandRussel) حصول دولت سے متعلق ہماری بیشتر جدوجہد کی تہہ میں شخصی شہرت اور اعلیٰ سماجی حیثیت حاصل کرنے کی محرکات نظر آتے ہیں۔۳۱

شیخ محمود احمد قدرے وضاحت کے ساتھ اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس نظریے میں ایک عالمگیر حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔دنیا کے تمام ممالک میں جہاں کہیں کسی کا بس چلتا ہے،وہ سود کی خاطر نہیں۔ بلکہ اپنے آیندہ مشکل ایام اور آڑے وقت کیلئے رقم بچاتا ہے۔اور اگر لوگوں کے پاس محض اتنی رقم ہو،جس سے ان کا بمشکل گزارہ ہوتا ہو۔ تو انہیں چاہے کتنی بھی زیادہ شرح سود کی لالچ دی جائے،وہ فاقہ کشی کر کے،سود کیلئے رقم بچانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں گے۔۳۲

موصوف آگے لکھتا ہے:

"البتہ جولوگ رقم بچاسکتے ہیں۔وہ موجودہ آسائشوں کو باسانی مستقبل کی ضروریات پر قربان کردیتے ہیں۔ان پر بھی بٹاون یا ترجیح حال کے سودی نظریے کا اطلاق ویسے ہی غیر معقول ہے،جیسے اجتماعی بچت سکیم والوں پر،ترقی یافتہ ممالک میں جولوگ بے پناہ رقم بچالیتے ہیں۔اور جن کا مقصد خود کفالت اور مالی استحکام ہوتا ہے۔کیا سود کی عدم موجودگی میں وہ اپنے مستقبل کے ان اغراض و مقاصد کو چھوڑ بیٹھیں گے؟ہرگز نہیں۔"۳۳

سود کے ان اسنادی نظریات کے دور میں سود کی لم بیان کی گئی۔جو خود ان کے درمیان باعث نزاع بن گئی تھی۔اس بحث و نزاع کے نتیجہ میں مختلف نظریات نے جنم لیا۔جن میں سے کوئی بھی اس کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔کہ سودی رقم کس چیز کا

معاوضہ ہے؟

دور مذکورہ کے بعد سود اب ایک نئے دور میں داخل ہوگیا ہے۔ جس میں اس سوال کے جواب دینے کی کوشش ترک کردی گئی ہے۔ کہ سود کیوں ادا کیا جاتا ہے؟ بلکہ اس نئے دور میں سارا زور اس بات پر صرف ہونے لگا ہے کہ سود کی شرح کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔ سود کا یہ دور "نظریۂ زر کا دور" کہلاتا ہے۔

۳۔ سود کے نظریۂ زر کا دور:

بیسویں صدی کے معیشت دانوں نے سود کی وجہ جواز بیان کرنے کی بجائے اس مسئلے کو ایک دوسرے رخ پر موڑ دیا۔ اور اس کے لیے ایک جدید نظریہ "نظریہ زر یا نظریۂ قیمت" وضع کیا۔ شیخ محمود احمد کے مطابق معاشیین جب سود کی ٹھوس بنیاد معلوم کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے اپنی عافیت "نظریۂ قیمت" میں دیکھی۔ جس میں طلب ورسد سے بحث کی جاتی ہے ان کے نزدیک اصل کی قیمت کا تعین بھی طلب ورسد ہی کے ذریعہ سے ویسے ہی طے پاتا ہے جیسے تمام دیگر اشیا کی قیمتوں کا تعین ان سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اس بات کو نظر انداز کردیا ہے کہ نظریہ قیمت تو "مبادلۂ دولت کا مسئلہ" ہے جبکہ نظریہ سود "تقسیم دولت کا مسئلہ" ہے۔ ۳۴

یہ مکتب فکر دو گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک "قرض پذیر سرمایے کے نظریہ" کا حامی ہے اور دوسرا "ترجیح سیال پذیر نظریہ" کا۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر قریشی لکھتا ہے:

> ان دونوں نظریوں کے درمیان اختلاف فقط اس امر میں ہے کہ کیا شرح سود کا انحصار "قرض پذیر سرمایے کی طلب ورسد" پر ہے یا خود "زر کی طلب ورسد" پر۔ اول الذکر خیال کے حامی پروفیسر برٹل اوھلن (Bertil Ohiln)، رابرٹسن (Robertson) ھکس (Hicks) اور دیگر بہت سے نامور معاشیین ہیں، جبکہ مؤخر الذکر عقیدہ لینس اور ان کے پیروؤں کا ہے۔ ۳۵

وہ تمام اعتراضات جو اسنادی نظریہ سود پر عائد کئے گئے ہیں ان کا اطلاق قرض پذیر

سرمائے کے نظریے پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ان نظریوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں پایا جاتا۔ ان میں فرق محض لفظی اصطلاحوں کا ہے۔ کیونکہ اسنادی نظریے میں بچت وہی چیز ہے جو قرض پذیر سرمایے کے نظریہ میں دی جانے والی رقم ہے۔ دونوں نظریے مبہم ہیں۔ قرض پذیر سرمایے کے نظریے کے مطابق شرح سود کا تعین اس نقطے پر ہوتا ہے ۔جہاں خط طلب، خط رسد کو قطع کرتا ہے۔ جبکہ قرض پذیر سرمایے کی رسد، بچت بینک قرض وغیرہ ہوتی ہے۔ اب چونکہ بچت کی رقم آمدنی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جسکی وجہ سے قرض پذیر سرمایہ بھی تبدیل ہوگا۔ لہذا یہ نظریہ بھی غیر معین اور مبہم رہیگا۔ جیساکہ ڈاکٹر افضل الرحمان، ڈاکٹر رابرٹسن کے حوالے سے رقمطراز ہے:

> "ترجیح سیال پذیر کے نظریے میں سود اتار چڑھاؤ کے مقابلے میں ایک پر خطر سودا کے سواء کچھ نہیں ہے جس کے بارے میں ہم کبھی مطمئن نہیں ہوسکتے۔ یہ نظریہ سود کو معلق چھوڑ دیتا ہے یا باالفاظ دیگر یہ قول بے ہودہ ہے کہ سود اس لئے وصول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سود ہے" ۳۶

یہاں اس بات کا ذکر قارئین کی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ کہ وہی کینز (Keynes) جو ترجیح سیال پذیری کے نظریے کا حامی ہے۔ وہ خود اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ ایسا معاشرہ جو نظم و ضبط کا پابند ہو۔ وہ سود کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ اس قسم کے معاشرے میں اگر صرف تجارت اور محنت ہی کی بدولت دولت کما سکتے ہیں۔ ایسا معاشرہ سرمایہ داری نظام کے تمام نقائص سے پاک ہوگا۔ ۳۷

مذکورہ بالا تمام نظریات ان ماہرین معاشیات کے وضع کردہ تھے۔ جن کا تعلق سرمایہ دارانہ نظم معیشت کے ساتھ تھا۔ ذیل میں ان معاشیین کا نظریۂ سود درج کیا جاتا ہے۔ جن کا تعلق اشتراکی نظم معیشت کے ساتھ ہے۔ تاکہ سود کے بارے میں دونوں انتہاء پسند نظریات سامنے آجائیں۔ اور ایک انصاف پسند قاری سود اور نفع کے درمیان فرق کو پہچان سکے۔ اور عادلانہ نظم معیشت کے لیے ایک درمیانہ راستہ کی ضرورت و اہمیت کو سمجھ سکے۔

۴-استحصالی نظریہ سود:

استحصالی نظریہ سود ماقبل نظریات کا ضد ہے۔ کارل مارکس (Karl Marx) اور اس کے پیروکار اشتراکیوں نے آدم سمتھ (Adam Smith) ور ریکاردو (Raikardo) اکے اس فلسفہ کہ "قدر کا اصل منبع محنت" ہے۔ کو بنیاد بنا کر سود کا استحصالی نظریہ پیش کیا ہے۔ اشتراکیوں کے نزدیک تمام قابل قدر اشیاء انسانی محنت ہی کا نتیجہ ہیں لہذا ان میں سرمایہ داروں کا کوئی حق نہیں بنتا۔ بلکہ یہ صرف محنت کرنے والے مزدوروں ہی کا حق ہے جس پر سرمایہ داروں نے نجی ملکیت کے ذریعہ قبضہ کیا ہوا ہے۔ لہذا ان اشیاء (اصل) پر سود کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ سسمنڈی (Sismondi) اس نظریے کی یوں تشریح کرتا ہے:

> دولت مند جنھوں نے تمام اشیاء (خام مال، آلات اور مشینوں وغیرہ) کو اپنی ملکیت میں لے رکھا ہے۔ وہ ان کے ذریعے غریبوں کی محنت کو اپنے قبضے میں رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بذات خود کوئی محنت نہیں کرتے۔ مگر پھر بھی غریبوں کو تفویض کردہ کام سے خود کو متمتع کرنے کے لیے ان کی محنت کا "بہترین ثمر" خود پیشگی وصول کر لیتے ہیں۔ اور وہ بہترین ثمر سود ہے اسی طرح سرمایہ دار معاشرے کی ساخت ہی کی بدولت، سرمایہ کو یہ صلاحیت حاصل ہو گئی ہے۔ کہ وہ دوسرے لوگوں کی محنت کے ذریعے خود کو دوبارہ پیدا کرے"۔ ۳۸

چنانچہ سسمنڈ کے بقول۔ نجی ملکیت بغیر کسی معنت کے آمدنی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور اس کا اہم ترین وسیلہ سود ہی ہے۔ اگر ہر آدمی بلا سود قرض حاصل کرنے کا اہل ہوتا، تو استحصال کو پنپنے کا موقع نہ ملتا" ۳۹

اشتراکی نظریۂ سود، سرمایہ دارانہ نظریۂ سود کا بالکل برعکس اور مخالف نظریہ ہے۔ سرمایہ داری نظم مین اصل کو وہ مقام حاصل ہے۔ جو محنت کو حاصل نہیں ہے۔ جبکہ اشتراکی نظام میں اصل کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ اتنا بے وقعت بھی نہیں ہے۔ جتنا اشتراکیت نے اسے سمجھا ہوا ہے۔ اصل کو اگر بغور دیکھا جائے۔ تو یہ بھی کافی محنت، سوچ بچار، تنظیم اور حفاظت و نگہداشت کے بعد ہاتھ لگتا ہے سے بلا معاوضہ (بقدر

حصہ در منافع کے بغیر) چھوڑ دینا، درحقیقت ایک بہت بڑی محنت کو بلامعاوضہ چھوڑ دینا ہے جو کہ لازماً بے انصافی ہے۔

سودی کاروبار کی اصل وجہ جواز:

ہمارے سامنے حل طلب مسئلہ اب یہ رہ جاتا ہے۔ کہ سود کے بارے میں اتنے مختلف النوع نظریات کیوں گھڑ لئے گئے؟ وہ کونسی مجبوری تھی جسکی بناء پر سودی کاروبار کی اتنی بڑی شاندار عمارت کھڑی کرکے اس میں غریب انسان کا خون چوسا جارہا ہے؟ حالانکہ سود کو انسانی فطرت نے کبھی بھی صاد نہیں کیا۔ زمانہ قدیم سے لیکر آج تک اکثریت کی رائے اس کے خلاف رہی ہے۔ قدیم اہل یونان جیسی دنیاوی لحاظ سے متمدن قوم سود کو ناجائز تصور کرتی تھی، ارسطو زر کا واحد مقصد مبادلے میں سہولت قرار دیتے تھے۔ نہ کہ سرمایہ میں اضافے کا ذریعہ۔ افلاطون بھی اسی خیال کا حامی تھا۔ ۴۰ مگر اس مسئلہ نے انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ معاشرے میں سود سے اتنی نفرت کے باوجود اسے پنپنے کا موقع کیسے ملا؟ بلاخر وہ کونسی ایسی مجبوری تھی جس کی بنا پر اسے نہ صرف جائز قرار دیا گیا۔ بلکہ اسے معیشت کا ایک جزو لاینفک گردانا گیا۔

اس مسئلے کی کئی دور ازکار تاویلات کی جاتی ہیں۔ مگر اسکی صحیح اور مناسب توجیہ صرف ایک ہی ہے جسے بیکن سودی کاروبار کی وجہ جواز قرار دیتا ہے، بقول بیکن (Bacon) لوگوں کو قرض لین دین کی ضرورت پڑتی ہے، مگر دوسرے انہیں اپنی سنگدلی کے باعث بلاسود قرض دینے پر رضامند نہیں ہوتے، لہذا سودی کاروبار کی اجازت ہونی چاہیے۔ ۴۱

بیکن کے مندرجہ بالا الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سود کا اصل محرک ایک جانب قرض لینے والوں کی "لاچاری اور مجبوری" ہے۔ اور دوسری جانب قرض پر رقم فراہم کرنے والوں کی "سنگدلی اور خود غرضی" ہے۔ گویا سود کے جواز کی وجہ محض سرمایہ داروں کے ایک رقیق جذبۂ خود غرضی کی تشفی کرنا ہے، کہ وہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان

کا خون چوستے رہیں اور نام نہاد ترقی کا ڈھول پیٹتے رہیں۔

ماہرین نفسیات بتاتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر مختلف النوع جذبات واحساسات پائے جاتے ہیں۔ وہ بیک وقت متضاد جذبات کا حامل ہے۔ اگر اس میں ایک طرف "خود غرضی کا جذبہ" پایا جاتا ہے۔ تو دوسری جانب اس میں "ہمدردی کا جذبہ" بھی موجود ہے۔ اس میں اگر ایک جانب "نفرت کا جذبہ" کار فرما ہے، تو دوسری جانب اس میں "محبت کا جذبہ" بھی موجزن ہے۔ انسان میں اگر "کبر و نخوت کی خو" موجود ہے تو اسمیں "تسلیم و رضا کی صفت" بھی پائی جاتی ہے۔ الغرض وہ کونسا اچھا یا برا جذبہ ہے۔ جو انسان کے اندر موجود نہیں ہے۔

انسان کی اپنی اور اس کے ساتھ رہنے والے تمام انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود اسی میں ہے۔ کہ انسان کے اندر پائے جانے والے نیک جذبات کو ابھار کر ترقی دی جائے۔ تاکہ انسانی معاشرہ محبت وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔ ورنہ بصورت دیگر اگر اس کے اندر موجود نیک اور پاک جذبات کی آبیاری کی بجائے اس کے اندر برے جذبات کو شہ دیکر انہیں پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا۔ تو یہ انسان آخرت سے پہلے دنیا ہی میں قیامت کا نقشہ دکھادیں گے۔ انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ انسانوں کے نیک جذبات کو بیدار کر کے، انہیں شرف انسانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچاتے رہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوسکیں۔

سود کے اندر بنیادی خباثت ہی یہی ہے۔ کہ اسکی وساطت سے ایک جانب سرمایہ دار کی خود غرضی پوری کی جاتی ہے، اور دوسری جانب کارخانہ دار کی۔ کارخانہ دار سود کی ادا کردہ رقم سے کہیں زیادہ رقم اشیاء کی قیمتیں بڑھا کر صارفین سے وصول کرلیتا ہے جبکہ بینکرز کی خود غرضی کی تکمیل اس کے علاوہ ہے نتیجتاً غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر بن جاتے ہیں آخر کار معاشرہ بے انتہاء اونچ نیچ کا شکار ہو کر ظلم، بے چینی، بد نظمی اور بدامنی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اور اسکی وجہ سے ملک میں فسق وفجور عام ہوجاتا ہے۔

۵- نظریہ حرمت سود:

سودی نظریات کی یہ بحث اس وقت تک نامکمل رہیگی۔ جب تک سود کے بارے میں اس نظریئے کی وضاحت نہ کردی جائے۔ جو سرمایہ داری اور اشتراکی دونوں نظریات سے ایک مختلف نظریہ ہے۔ جو کہ نظریہ حرمت سود کہلاتا ہے۔ اور تاریخی لحاظ سے اسے تمام سودی نظریات پر تقدم حاصل ہے۔

معاشرے میں جہاں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو اپنی ذاتی اغراض اور انفسانی خواہشات میں منہمک ہو کر معاشرتی نظم کو درہم برہم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ وہاں ایسے حکماء اور صلحاء بھی موجود ہوتے ہیں جو اس نظم کو برقرار رکھنے کی خاطر انہیں خود غرضانہ خواہشات سے ہٹا کر اجتماعی فلاح و بہبود پر آمادہ کرتے ہیں۔ سود کے معاملے میں بھی جہاں خود غرض اور چالاک لوگوں نے سادہ لوح لوگوں کو اپنے مکرو فریب کے سنہری جال میں پھنسانے کی کوشش کی، وہاں دانایاں راز اور خیر خواہاں انسانیت افراد نے لوگوں کو ان کے جال تزدیر سے بچانے کی پوری سعی کی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جب سے سودی لین دین کا رواج شروع ہوا۔ اسی وقت سے عام لوگ سودی کاروبار کرنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ انسائیکلوپیڈیا سوشل سائنسز نے جہاں قدیم روم اور یونان میں سودی کاروبار کی خبر دی ہے۔ وہاں اس نے ہمیں اس بات کی جانب بھی اشارہ کردیا ہے۔ کہ اس زمانہ میں رومی اور یونانی بالعموم سود کی آمدن کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ۴۲ حتی کہ ارسطو زر کو ایک کڑک مرغی سے تشبیعہ دیکر اس کا واحد مقصد مبادلے میں سہولت پیدا کرنا بتاتا ہے۔ نہ کہ سود کمانا ارسطو کی طرح اس کا شاگرد افلاطون بھی سود کو ایک غیر فطری عمل سمجھتا تھا۔ ۴۳

اجتماعیت پسند مفکرین کے علاوہ جب ہم مذہبی کتابوں پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو اسمیں بھی سود کی ممانعت نظر آتی ہے جسکی مزید تاید مذکورہ بالا انسائیکلوپیڈیا کے اس بیان سے بخوبی ہوجاتی ہے کہ یہود کے قدیم معاشرتی قانون کی رو سے سود قطعاً ممنوع تھا۔ تورات

(کتاب الخروج) میں لکھا ہوا ہے کہ اگر اپنے سے غریب کو قرض دیں۔ تو آپ اسکی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ علماء یہود ان احکامات کا اطلاق تجارتی سود پر بھی کرتے تھے۔ ۴۴

دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نے بھی سود کو حرام قرار دیا ہے۔ سود چاہے مہاجنی ہو یا تجارتی، رباء النسیئۃ ہو یا رباء الفضل، اسلامی نقطۂ نظر سے سب حرام ہیں۔ حضرت عمر علیہ السلام کی تاکید کی رو سے سود کے معمولی سے معمولی شائبہ سے بھی پرہیز لازم ہے۔ سود کی حرمت ادلہ ربعہ شرعیہ۔ قرآن ۴۵، حدیث ۴۶، اجماع ۴۷ اور قیاس ۴۸ سے ثابت ہے۔

فلسفۂ حرمت سود: حرمت سود ایک ایسی واضح حقیقت اور فطری نظریہ ہے کہ اس کی حکمت تلاش کرنے اور اس کا فلسفہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مگر بد قسمتی سے انسانی ہمدردی سے لاپرواہی، اجتماعی فلاح و بہبود سے صرف نظر اور بعض خود غرض انسانوں کی خود غرضی نے سود کو انسانی معاشرے میں جڑ پکڑنے کا موقع فراہم کیا۔ جبکہ دوسری جانب اسے سرمایہ دارانہ نظام کی ایک ایسی کھلی فضا میسر آئی جس میں ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال کمانے اور اکھٹا کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اسی فضائے بسیط میں اسے ایسے معاشیین بھی مل گئے۔ جنہوں نے سود کی ضرورت و اہمیت کے نت نئے فلسفے اور نظریے گھڑ ڈالے۔ آرام پرست حکمرانوں اور ان کے حواریوں کی پشت پناہی نے سود کو قانونی تحفظ فراہم کر کے اسے بالکل جائز قرار دیا۔ چنانچہ وہ تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک جو مغربی سیاست و معیشت کے زیر تسلط آئے، وہاں بھی سودی کاروبار کا خوب چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ ان ممالک میں سود کو معیشت کا ایک جزو لاینفک سمجھا جانے لگا۔

حالانکہ معیشت و معاشرت پر سود کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں اگر کوئی بھی سلیم الفطرت انسان، ان کا بغور مطالعہ کر لے، تو اس کا ضمیر اسے ہرگز اجازت نہیں دے گا۔ کہ وہ سودی کاروبار خود اختیار کرے یا اس کی حمایت کرے۔ ذیل میں ہم چند عقلی و نقلی دلائل سے حرمت سود کی حکمت بیان کریں گے۔ اور بعض تاریخی شواہد سے واضح کریں گے۔ کہ بعض قوموں اور ملکوں کی معیشت اور معاشرت پر سود کے کیا مضر اثرات مرتب ہوئے۔

۱-انسانی اخلاق پر سود کے اثرات:

سود کی وجہ سے انسان کے اندر خود غرضی کی جو فضا پیدا ہوتی ہے، وہ بالآخر ظلم وجور پر منتج ہوتی ہے۔ خود غرضی کی اس ارتقائی کیفیت کو مولانا تقی عثمانی صاحب یوں واضح فرماتے ہیں:

"سود خواہ تجارتی ہو یا مہاجنی، وہ جس ذھنیت کو جنم دیتاہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں جو اسلام چاہتا ہے۔ قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پرواہ ہوتی ہے۔ آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے دئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتاہے اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہوسکے دیر میں نفع ہو۔ تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے۔ اسے مدیون کے نقصان کا کوئی بھی غم نہیں ہوتا۔ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے یہ چیز خود غرضی کو اس قدر بڑھادیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجتمندانہ قرضہ میں بھی اپنی رقم کو بلاسود لگانے پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں۔ تاکہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے۔ ۴۹

درحقیقت انسانی اخلاق پر سود کے جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اسکی وجہ سے انسان زر پرست، خود غرض، انسان دشمن، مکار اور فریبی بن جاتا ہے۔ اور وہ تمام بہتر انسانی صفات ہمدردی، اخوت، غمگساری اور مروّت وغیرہ سے بے بہرہ رہ جاتا ہے۔ حتی کہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی تمام انسانوں میں برے صفات عام ہوجاتے ہیں۔ اور سب ایک دوسرے کے نفع کی بجائے نقصان پر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنا فائدہ اسی میں نظر آتا ہے۔

۲-سود کے معاشرتی نقصانات:

جب معاشرے کے اکثر افراد ان عمدہ صفات سے عاری ہوجاتے ہیں۔ جنکی وجہ سے معاشرے میں ربط واستحکام پیدا ہوتا ہے اور ان کے اندر بجائے عمدہ صفات کے، وہ صفات پیدا ہوجاتی ہیں جنکی بدولت معاشرے میں ابرتری پھیلتی ہے۔اور قومی غیرت و حمیت معاشرتی زندگی سے رخصت ہوجاتی ہے تو سارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہے۔

اسی طرح بین الاقوامی تعلقات پر بھی سود بری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔قوموں اور ملکوں کے درمیان سود ہی کی وجہ سے آپسمیں کشیدگی اور بدگمانی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ مولانا مودودی صاحب اس سلسلہ میں انگلستان اور امریکہ کے درمیان ایک بھاری قرض کے معاملے(Bretton Wood Agreement) سے پیدا ہونے والی کشیدگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> انگلستان چاہتا تھا کہ اس کا خوشحال دوست جو اس لڑائی میں اس کا رفیق تھا۔اسے بلاسود قرض دے دے۔لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔اور انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوگیا۔کہ سود دینے پر آمادہ ہو۔انگریز قوم پر اس کا جو اثر مرتب ہوا۔وہ ان تحریروں اور تقریروں سے معلوم ہوسکتا ہے۔جو اس زمانہ میں انگلستان کے مدبروں اور اخبار نویسوں کی زبان اور قلم سے نکلیں۔مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز(Lord Keynes) آنجہانی، جنہوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاملہ طے کیا تھا۔جب اپنے مشن کو پورا کرکے پلٹے تو انہوں نے برطانوی، دارالامراء میں اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلاسود قرض دینا گوارہ نہ کیا" مسٹر چرچل(Churchill) جیسے زبردست امریکہ نواز نے کہا کہ "یہ بنیے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے مجھے اسکی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر

پڑا ہے" اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے پارلیمنٹ میں اس معاملے کو منظوری کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا کہ" یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں۔ ہماری ان قربانیوں اور جفا کشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے۔ جو ہم نے مشترک مقصد کے لیے برداشت کیں۔ اس نرالے ستم ظریفانہ انعام پر آئندہ زمانے کے مؤرخین ہی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے۔ ہم نے درخواست کی تھی۔ کہ ہم کو قرض حسنہ دیا جائے۔ مگر جواب میں ہم سے کہا گیا کہ یہ عملی سیاست نہیں ہے"۔ ۵۰

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کا یہ فقرہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:

وهو مظنه لمناقشات عظيمه وخصومات مستطيرة. ۵۱

ترجمہ: یہ (سود) بڑی بڑی لڑائیوں اور طویل جھگڑوں کا باعث ہے۔

۳- سود کے معاشی نقصانات:

سود کے معاشی نقصانات بے شمار ہیں۔ سود کی کوئی بھی قسم مختلف معاشی نقصانات سے خالی نہیں ہے۔ ذیل میں ہم سود کی چند واضح اقسام کے تحت ان کے بعض معاشی نقصانات کا ذکر کرتے ہیں:

الف- مہاجنی سود: دنیا میں سب سے بڑھ کر سود خوری مہاجنی کاروبار میں ہوتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان بالخصوص غریب یا متوسط طبقہ کو اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے قرض پر رقم لینے کی ضرورت پڑتی ہے معاشرے میں ان کی امداد کے لیے کوئی ایسی سکیم موجود نہیں ہوتی۔ جس کی وساطت سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ لہذا بامر مجبوری انہیں سودی قرض لینا پڑتا ہے بقول مولانا مودودی یہ مہاجن انہیں اپنی بستیوں کے قریب ہی گدھ کی طرح شکار کی تلاش میں منڈلاتے ہوئے مل جاتے ہیں۔ مولانا موصوف کہتے ہیں کہ اس کاروبار میں اتنی بھاری شرح سود رائج ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سودی قرض کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ وہ پھر کبھی اس سے نہیں نکل

سکتا۔ حتی کہ دادا کا لیا ہوا قرض پوتوں تک منتقل ہوتا چلا جاتا ہے ۵۲

حیران کن بات یہ کہ کہ وہ ممالک جہاں بینکاری نظام خوب ترقی پر ہے وہاں بھی غرباء کے لیے بینک سے قرض حاصل کرنے کے انتظامات نہیں ہیں۔ سخت ضرورت کی حالت میں انہیں رجسٹرڈ ساہوکاروں سے بھاری شرح سود پر قرض لینا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، دارالعوام اور دارالامراء کی ایک مشترکہ مجلس منتخبہ کی رپورٹ ۱۹۲۵ کے حوالہ سے انگلستان میں ساہوکاری سود کی بابت بتاتے ہیں۔ کہ وہاں بالعموم ایک پینس فی شلنگ فی ہفتہ یعنی ۴۳۳ فی صد سالانہ کی شرح سے سود وصول کیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض حالات میں تیس پنس فی شلنگ فی ہفتہ یعنی تقریباً ۱۳۰۰ فی صد سالانہ کے حساب سے بھی سود وصول کیا جاتا تھا۔ ۵۳

سوچنے کی بات ہے۔ کہ اس ساہوکاری نظام کا غریبوں اور محنت کشوں کی معاشی جدوجہد اور ان کے اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہوگا۔ ایک طرف روز بروز بڑھتی ہوئی گرانی اور دوسری جانب تہی دستی کا یہ عالم، بالآخر لوگ خودکشی یا دیگر جرائم پر کیوں نہ آمادہ ہوئے ہونگے۔

ب۔ تجارتی یا کاروباری سود: تجارتی یا کاروباری سود سے مراد وہ سود ہے۔ جو ذاتی ضروریات کے لیے حاصل کردہ قرض پر ادا نہیں کیا جایا۔ بلکہ ان قرضوں پر ادا کیا جاتا ہے جو تجارت، صنعت یا زراعت وغیرہ دوسرے نفع آور کاروبار کے لیے لیا گیا ہو۔ بعض بینکار اور سرمایہ دار اس قرض کو مباح قرار دیکر اسے رباء کے زمرہ سے خارج بتاتے ہیں۔ جس کے لیے ہو لمبی چوڑی تاویلیں اور عجیب و غریب دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ سب بے معنی تاویلیں اور کوتاہ نظری پر مبنی دلیلیں ہیں۔ اس قسم کے قرض کے بارے میں مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

> "ان کی بہتری کا تقاضا تھا کہ قرض فراہم کرنے والے اور قرض لینے والے دونوں میں مکمل مفاہمت ہوتی اور دونوں کاروبار کی کامیابی کے لیے کوشاں رہتے۔ مگر یہاں صورت یہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ دائن کو صرف سود حاصل کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ کاروبار کے نفع نقصان سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کاروبار

کے نقصان کی وجہ سے اگر پوری قوم کی معیشت پر برا اثر پڑ رہا ہو۔ تو بھی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ اسے تو بہر صورت سود کی رقم مل جائیگی"۔ ۵۴

مولانا نے تجارتی سود کے جن نقصانات کی بالوضاحت نشاندہی کی ہے ان کا اختصار یہ ہے:

۱- سرمایہ کا ایک بڑا حصہ محض شرح سود چڑھنے کے انتظار میں بیکار پڑا رہتا ہے۔ اور کسی مفید کام میں نہیں لگتا۔ نتیجتاً دنیا میں قابل استعمال اشیاء کی بہتات کے باوجود لوگ بے روزگار اور بیکار رہتے ہیں۔

۲- زیادہ شرح سود کی لالچ میں آکر سرمایہ دار طبقہ کاروبار کی حقیقی ضرورت اور طبعی مانگ کی خاطر نہیں بلکہ اپنے مفاد کی خاطر اپنے سرمایے کا بہاؤ کھولتا اور بند کرتا ہے۔

۳- سود ہی کی وجہ سے تجارت اور صنعت کا نظام ہموار طریقہ سے چلنے کی بجائے بار بار کساد بازاری کا شکار ہوجاتا ہے۔

۴- سرمایہ مفاد عامہ کے کاموں کی بجائے ان کاموں کے لیے فراہم کیا جاتا ہے جن میں شرح سود زیادہ سے زیادہ ہو۔ چاہے وہ کام معاشرے کے لیے تباہکن ہی ثابت ہوں۔

۵- سرمایہ دار لمبی مدت کے لیے سرمایہ دینے کی بجائے ایک جانب سٹہ بازی کے لیے اپنا سرمایہ بچائے رکھتے ہیں۔ اور دوسری جانب زیادہ شرح سود سود کی خاطر اپنا سرمایہ بند رکھتے ہیں۔ نتیجتاً اہل صنعت و حرفت مزید کارخانے لگانے کے اہل نہیں بن سکتے۔ ۵۵

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ملکی صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ دیگر نفع آور کاموں کی ترقی کے لیے سود ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ

واذاجری الرسم با ستنماء المال بهذا الوجه، افضی الی ترک الزراعات والصناعات التی هی اصول المکاسب ولا شیئاً فی العقود اشدتد قیقاً واعتناداً بالقلیل وخصومتاً من الربا. ٥٦

اور جب سود کے ذریعے مال کی بڑھوتری کا دستور عام ہوجاتا ہے۔ تو لوگ کھیتی باڑی اور صنعت و حرفت جیسے بنیادی مکاسب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تمام معاملات میں سود سے زیادہ معمولی معمولی چیز کی چھان بین کرنے اور جھگڑنے کا باعث کوئی چیز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا نقصانات کے علاوہ سودی لین دین کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ بعض اوقات لمبی مدت کے لیے سود پہ لئے گئے قرضے، صنعت کاروں کے لیے قیمت گرجانے کی وجہ سے خسارے کا باعث بن جاتے ہیں۔ جنکی تلافی کا ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا کہ وہ مصنوعات وغیرہ کی خاصیت بدل کر دھوکہ اور فریب سے کام لیں۔ جس کا اثر ظاہر ہے تمام صارفین پر پڑیگا۔

ان نقصانات کے علاوہ تجارتی سود کے اور بھی کئی ایسے نقصانات ہیں۔ جن سے ملک اور قوم کو بھوک اور غربت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج حکومتیں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ملک سے غربت اور بیماری کو ختم کرنے میں ناکام نظر آتی ہیں۔ لہذا ہمارا یہ دعوی بیجا نہیں ہے کہ تجاوتی سود مہاجنی سود سے ملکی معیشت کے لیے کہیں بڑھ کر مہلک ہے بلکہ مہاجنی سود کا زیادہ تر باعث بھی یہی تجارتی سود ہے۔

ج۔ سرکاری قرضے اور سود: سرکاری قرضوں سے ہماری مراد وہ قرض ہیں جو حکومتیں مختلف ضروریات اور کاروبار کے لیے اندرون ملک لوگوں سے حاصل کرتی ہیں۔ یہ قرض یا تو پیداواری مقاصد کے لیے لئے جاتے ہیں یا غیر پیداواری مقاصد کے لیے۔ مثلاً جنگ، قحط سالی وغیرہ۔ بالخصوص جنگی قرضے ملکی معیشت کو جتنا کھوکھلا کردیتے ہیں۔ شاید دنیا میں اور کوئی قرض بھی معیشت کے لیے اتنا مضرت رساں نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے مختلف جنگی قرضوں کا جائزہ پیش کرنے کے بعد، ھیرلڈ مولٹن (HeroldMoulton) اور پسولسکی (Pasvolsky) کے حوالے سے ان قرضوں کے معیشت پر ہونما ہونے والے اثرات کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

"جنگی قرضوں کے مسئلے کے حقیقی مضرات اب دنیا پر واضح ہو چکے ہیں۔ ایسے قرضوں کی واپسی جو دراصل پیداواری امور کا نتیجہ نہیں بلکہ جنگ کی

تباہ کاریوں کا نتیجہ ہیں بین الاقوامی معاشی توازن اور خوشحالی کے حصول کی راہ میں رخنہ بن جاتی ہے جنگی قرضوں کی واپسی کے ذریعے ان مشکلات کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ جبکہ کہ آج دنیا شکار ہے۔ علم معاشیات نے قطعی طور پر یہ فیصلہ کردیا ہے۔ کہ اگر جنگی قرضوں کے مضر اثرات کو ہمیشہ کے لیے ناپید کردیا جائے۔ تو یقیناً دنیا کی خوشحالی کا مقصد حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کا کام بہت سہل ہو جائیگا۔ ۵۷

جہاں تک حکومت کے پیداواری قرضوں پر سود کی بات ہے۔ تو یہ بھی دیگر نجی کاروباری قرضوں پر سود کی طرح معیشت کے لیے کچھ کم نقصان دہ نہیں ہے۔ حکومت کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ وہ اس قسم کے قرضے زیادہ نفع آور کاروبار کے لیے حاصل کرے۔ اور یہ قرضے اسے زیادہ سے زیادہ لمبی مدت کے لیے مل جائیں لیکن اندرونی حالات، بعض قدرتی عوامل اور بین الاقوامی معاملات کے بدلنے سے بعض دفعہ حکومت اپنے اہداف کے مطابق ان سے نفع اندوز نہیں ہوپاتی۔ جسکی وجہ سے حکومت سود تو کجا اصل کی ادائیگی کے لیے بھی پریشان ہوتی ہے، جسکی ادائیگی کی بامر مجبوری وہ یہ صورت نکالتی ہے۔ کہ لوگوں پر زائد ٹیکس عائد کرے یا پرانے ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کرے۔ ادھر لوگ سابقہ قیمتوں کو روتے ہیں۔ اور حکومت سے پرزور اپیلیں کرتے ہیں۔ کہ ان کی تنخواہیں اور اجرتیں بڑھادی جائیں۔

حکومت کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ نئے ٹیکس عائد کرے۔ یا موجودہ ٹیکسوں کی شرح کو بڑھادے تو لازماً قیمتیں اس سے اور بھی زیادہ بڑھ جائیں گی۔ جسکی وجہ سے تنخواہوں اور اجرتوں میں زیادتی کے مطالبات اور بھی شدت اختیار کرلیں گے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اثاثوں کے غلط اندراجات اور ٹیکس چوری کی واردات میں بھی اضافہ ہوجائیگا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کی آمدن کم اور اخرجات زیادہ ہوجائیں گے۔ الغرض اس قسم کے سودی قرضوں کی وجہ سے حکومت کو جن مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ نجی کاروبار کرنے والوں کو ان مشکلات سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔

رہے حکومت کے عوامی فلاح و بہبود کے وہ کام جن سے حکومت کو سر دست کوئی مالی منافع حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً حفظان صحت، تعلیم اور دفاعی اخرجات یا وہ منصوبے جن سے حکومت کو کم منافع حاصل ہونے کی توقع رہتی ہے۔ جیسے احیاء ارض موات آبپاشی کے لیے نہروں کا انتظام، آمدورفت کے لیے سڑکوں وغیرہ کا انتظام، ایسے تمام اہم منصوبے ہمیشہ حکومت کے خزانے پر بوجھ بنے رہتے ہیں کیونکہ حکومت کو بلاسود قرضے ملتے نہیں ہیں۔ اور زیادہ شرح سود پر قرض لیکر ان منصوبوں پر خرچ کرنا اقتصادی نقطۂ نگاہ سے مناسب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں کے پاس اپنے مالی وسائل کم ہیں۔ ان میں فلاحی کاموں کی رفتار نہایت سست ہے۔

د۔ بین الاقوامی قرضے اور سود: ملکی معیشت اور سیاست پر سب سے برا اثر ان قرضوں کا پڑتا ہے جو ایک حکومت دوسری حکومت سے یا بین الاقوامی مالی اداروں سے سود پر حاصل کرتی ہے۔ اس قسم کے قرضے بظاہر ملک کی ترقی اور خوشحالی کی خاطر لئے جاتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ قرضے برسراقتدار حکومت اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دینے اور اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کے لیے لیتی ہے۔ جس کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ قرضے اترنے کے بجائے سال بسال بڑھتے اور چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ان قرضوں کی شناعت کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"حکومتیں ایسے قرضے زیادہ تر ان حالات میں لیتی ہیں۔ جب ان کے ملک پر غیر معمولی مشکلات اور مصائب کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور خود ملک کے مالی ذرائع ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کافی نہیں ہوتے۔ اور کبھی وہ اس لالچ میں بھی اس تدبیر کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ کہ بڑا سرمایہ لیکر تعمیری کاموں پر لگانے سے ان کے وسائل جلدی ترقی کرجائیں گے۔ اربوں روپے کا سالانہ سود ہی کروڑوں روپے ہوتا ہے۔ بین الاقوامی بازار زر کے سیٹھ اور ساہوکار اپنی اپنی حکومتوں کو بیچ میں ڈالکر ان کی وساطت سے یہ سرمایہ قرض دیتے ہیں اور اس کے لیے ضمانت کے طور پر قرض لینے والی حکومت کے محاصل میں سے کسی محصول

مثلاً چنگی تمباکو، شکر، نمک یا کسی اور مد کی آمدنی رھن رکھ لیتے ہیں۔ اس نوعیت کے سودی قرضے ان تمام خرابیوں کے حامل ہوتے ہیں جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں" ۵۸

مقروض ممالک کی معیشت پر بیرونی قرضوں کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے چند تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کا ایک مبسوط جائزہ پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

اکتوبر ۱۹۲۲ میں مجلس اقوام نے اسٹریا کے لیے ایک سکیم بنام "جدید مالیاتی تنظیم" منظور کی جس کے تحت جون ۱۹۲۲ء میں ساڑھے چھبیس ملین پونڈ کا قرض چھ فی صد شرح سود کے حساب سے تمسکات جاری کر کے اسٹریا کو دیا۔ اور قرض کے بدلے میں اسٹریا نے بطور ضمانت کسٹم محصول اور تمباکو کے اجارے دئے۔ اور مجلس اقوام نے اپنے مفوضہ اختیارات کے مطابق اسٹریا میں تمسکات کے کاروبار کو کنٹرول کرنے کے لیے اپنے نگران لیجنٹ مقرر کیے۔ نتیجتاً اس اسکیم کے چلانے والے ملکوں کو اسٹریا کے تمباکو اور سگریٹ سے کافی دولت ہاتھ آئی۔ مگر خود اہل اسٹریا کو سوائے چند لوگوں کے باقی کسی آدمی نے بھی اس کاروبار میں ایک پائی تک کی کمائی نہ کی، جبکہ مجلس اقوام کے نگران ایجنٹوں نے محض تمسکات کے خریداروں کے مفاد کی خاطر اس ملک کو مفلس کر دیا۔

مسٹر ہٹسلے (Hattersley) کے خیال کے مطابق فرانس اور اٹلی کے درمیان اور جرمنی اور اسٹریا کے درمیان کشیدگی کی اور ایک بڑی وجہ آسٹریا کے "جدید مالیاتی تنظیم" میں ان کی کھولی مداخلت تھی۔ ۵۹

ڈاکٹر موصوف آگے ھنگری کے قرض کی داستان لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

"۱۹۲۴ء میں ھنگری کی مجلس اقوام کی سرپرستی میں ساڑھے دس ملین پونڈ قرض دیا گیا۔ یہاں بھی آسٹریا کی طرح ہنگری کو کسٹم محاصل، شکر کے محصول

کی آمدنی اور تمبا کو اور نمک کے اجارے ضمانت میں دینے پڑے۔ اور ساتھ یہاں بھی نگران ایجنٹ مقرر ہوئے۔

جب ہنگری کو سود کی ادائیگی میں ناکام نظر آئی۔ تو دسمبر ۱۹۳۲ میں بین الاقوامی تصفیہ حسابات بینک کے عہداروں نے دس حکومتوں سے متحدہ طور پر ہنگری کو مزید ۲۰ ملین ڈالر قرضہ دلایا۔ تاکہ وہ سود کی رقم ادا کرسکے۔ چونکہ ہنگری کی حالت نازک تھی۔ انہیں اندیشہ تھا۔ کہ قرض کے اس اضافہ سے اس کی مالی حالت میں کوئی خاص بہتری پیدا نہیں ہوسکے گی۔ لہذا ایک ہفتہ کے اندر اندر اس قرض سے حاصل شدہ ذخیرے کی حفاظت اور نگرانی کی لیے التوائے ادائیگی کا اعلان کیا گیا۔ جسکی وجہ سے ہنگری کا تقریباً دو تہائی قرضہ متاثر ہوگیا۔" ٦٠

سود کے ہاتھوں بلغاریہ کی معیشت کا بھی یہی انجام ہوا۔ جب بلغاریہ نے اپنی معاشی کمزوری محسوس کی اور سوچا کہ بیرونی قرضوں کی ادائیگی اس کے لیے فی الحال ناممکن ہے۔ تو اس نے مجلس اقوام سے درخواست کی کہ ۱۹۲٦ء کے معاہدہ پر نظر ثانی کی جائے۔ جس کے جواب میں مجلس اقوام کی جانب سے یہ اعلامیہ جاری ہوا:

"بیرونی تمسکات کے خریداروں کی کونسل اور "مجلس کی قرضہ کمیٹی" نے مجلس اقوام کی مالیاتی کمیٹی کی یونان پر رپورٹ کے مطالعہ اور یونانی وزراء کے بیانات پر غور کرنے کے بعد یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ان تجاویز کی تمسکات کے خریداروں سے منظوری کی سفارش نہیں کرسکتے" ٦١

مزید معلومات کے لیے ڈاکٹر قریشی صاحب کی کتاب "اسلام اور سود" کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔ یہاں چند حوالہ جات اس غرض کے لیے نقل کئے گئے۔ تاکہ اس امر کا کچھ اندازہ ہوسکے۔ کہ بیرونی اور بین الاقوامی قرضوں کا کسی ملک کی معیشت اور سیاست پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور کس طرح غریب ممالک بالخصوص اسلامی ممالک مغرب کے امیر اور سرمایہ

دارانہ نظام کے حامل ممالک کے آج معاشی اور سیاسی میدان میں غلام اور دست نگر بنتے جارہے ہیں۔انہی سودی قرضوں کا یہ اثر ہے۔کہ تمام ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر مغربی بینکوں بالخصوص یہودیوں کے ہاتھوں میں جمع ہورہی ہے۔

ہم پورے وثوق اور دعوی سے یہ بات کررہے ہیں کہ اگر دنیا کو واقعی جنگ کے خطرات سے بچا کر اس میں امن وامان قائم کرنا مقصود ہے۔اور اسے مزید معاشی بحرانوں سے نکالنا مطلوب ہے، تو اس کا صرف ایک ہی واجبی حل یہ ہے۔کہ بینکنگ نظام کو کلیتہً سود سے پاک کر کے اسے شرکت ومضاربت کی بنیاد پر چلایا جائے۔جو کہ عین وقت کا اور عدل کا تقاضا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ الجصاص، احمد بن علی، ابو بکر الرازی، احکام القرآن، الجزء الاول، ص۔ ۴۶۴ مطبوعہ الاوقاف الاسلامیہ فی دارالخلافہ العالیہ، بیروت، لبنان (۱۳۳۸ھ)

۲۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ بن محمد، ابو بکر، احکام القرآن، ج۔۱، ص۔۱۰۱، مطبعۃ السعادہ، بجوار محافظہ مصر، (۱۳۳۱ھ)

۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا سید، سود، ص۔ ۱۵۳، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

۴۔ ادارہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۰، ص۔ ۱۷۰-۱۷۱، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء

۵۔ لوئس معلوف، المنجد، تحت مادہ "نسأ" المکتبہ الشرقیہ، بیروت، لبنان (۱۹۷۶ء)

۶۔ ادارہ، سہ ماہی رسالہ "فکر و نظر" ص۔ ۳۹ (ماہ اپریل۔ جون ۱۹۸۵ء) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۷۔ ادارہ ربوا و مضاربت، ص۔ ۱۸۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، (۱۹۸۳ء)

۸۔ مسلم، ابوالحسن بن الحجاج، القشیری، "صحیح مسلم" ج۔۶، الجزء۔۱۱، ص۔ ۱۴ دارالفکر، بیروت، لبنان (۱۳۹۲ھ)

۹۔ سہ ماہی رسالہ "فکر و نظر" ص۔۳۹ (ماہ اپریل۔ جون ۱۹۸۳ء)

۱۰۔ "ربوا و مضاربت" ص۔۱۸۳

۱۱۔ International Encyclopedia Social Sciences v-7 p-472macmIllan Co. and the Free Press London ,(1972)

۱۲۔ مودودی "سود" ص۔ ۲۸۳

۱۳۔ International Encyclopedia Social Sciences v-7 p-473--

۱۴۔ Ibid p-47

۱۵۔ مودودی "سود" ص۔۲۸۷

۱۶- قریشی انور اقبال، ڈاکٹر، "اسلام اور سود" ص-۱۵۴، اسلامک بک سروس لاہور (۱۹۷۸ء)

Afzal-ur-Rehman,"Economic Doctrines of Islam",p-98,Islamic Publcations, Shah Alam Market, Lahore(1980) -۱۷

Ibid p-99 -۱۸

۱۹- قریشی "اسلام اور سود" ص-۵۷

۲۰- ایضاً ص-۵۸

۲۱- ایضاً ص-۵۸

Sheikh Mahmood Ahmad,"Economics of Islam"p-31 Sheikh Muhammad Ashraf,Lahore(1977) -۲۲

Afzal-ur-Rehman,"Islamic Doctrines of Islam"p-12 -۲۳

Ibid p-12 -۲۴

Ibid p-17 -۲۵

۲۶- قریشی "اسلام اور سود" ص ۶۷-۶۸

Afzal-ur-Rehman,"Islamic Doctrines of Islam"p-17 -۲۷

Sheikh Mahmood Ahmad,"Economics of Islam" p-32 -۲۸

۲۹- قریشی "اسلام اور سود" ص-۴۷

۳۰- ایضاً ص-۷۶

۳۱- ایضاً ص-۷۶

Sheikh Mahmood Ahmad,"Economics of Islam" p-33 -۳۲

۳۳- Ibid p-33

۳۴- Ibid p-33

۳۵- قریشی "اسلام اور سود" ص-۷۹

۳۶- Afzal-ur-Rehman,"Islamic Doctrines of Islam"p-46

۳۷- Jhjn Maymard Keynes,"The Generol Theory of Employment interest and Money," p-220-221,mac-millen, London,Mebbourne,Toronto(1967).

۳۸- Afzal-ur-Rehman,"Islamic Dectrises of Islam"p-46

۳۹- Ibid p-27

۴۰- قریشی "اسلام اور سود" ص-۷۹

۴۱- ایضاً ص-۵۴

۴۲- "International Encyclopedia of Social Sciences v-7 p-473

۴۳- قریشی "اسلام اور سود" ص-۵۱

۴۴- International Encyclopedia of Social Sciences v-7 p-473

۴۵- قرآن مجید کی کئی آیات میں سود کی مذمت اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً

(الف) سورہ البقرہ آیت-۲۷۵ میں سود خوری کے متعلق کہا گیا ہے کہ سود خور قیامت کے دن مخبوط الحواس ہو کر قبروں سے اٹھیں گے۔ اور دائماً جہنم میں رہیں گے۔

(ب) اسی سورہ کی آیت-۲۷۶ میں بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور زکاۃ جو سود کا ایک برعکس عمل ہے سے بڑھاتا ہے۔

(ج) اور آیت ۲۷۹ میں سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی جانب سے اعلان جنگ کی دھمکی سنائی گئی ہے۔